OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

Al-Nasr Volume 3, Issue 2 (April-June 2024)

اسماء الحسنٰی کے باطنی پہلو اور رحمت الٰہی

Sacred names of Allah Almighty: Inner Aspects and God's Compassion

Dr. Zulfiqar Ahmad Gondal
Lecturer, Department of Islamic Studies, Superior College M.B.Din
Dr. Hafiz Muhammad Abrar Awan
Assistant Prof. Department of Urdu, Encyclopedia of Islam, University of Punjab, Lahore
Prof. Dr. Muhammad Shahbaz Manj
Chairperson, Department of Islamic Studies, University of Education, Lahore

Abstract

The Sacred Names The sacred names of Allah Almighty reflect God's qualities. Allah Almighty 's sacred names are embodiment of His Beauty 'grace, affection or anger. If there would be element of trinity, threat and fear in a negative sense then these names could not be put in the range of beautiful or sacred names. These names contain a sense of grace and forgiveness in every aspect. By viewing the inner aspect of these names one can come to know that every sacred name has an element of love, affection and forgiveness. If there is punishment, revenge or hardness, it is in a positive sense for our betterment. There is a lesson for our eternal benefit, success, education and positive change in hardness and punishment.

Keywords: Sacred names, Allah Almighty, God's qualities, mercy or punishment

تعارف

اسماء الحسنیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کے نام اور صفاتِ الٰہیہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اسماء الحسنیٰ کے مفاہیم پر غور وخوض کرنے سے صفاتِ الٰہیہ کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔ اسماء الحسنیٰ کی لغوی و معنوی تشریح اگر عربی لغات اور علماء مفسرین کی کتب کی روشنی میں کی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے اندر ہزاروں حکمتیں پنہاں رکھے ہوئے ہیں۔ تمام اسماء الحسنیٰ میں سے دو یا تین ایسے ہیں جو کہ بظاہر سختی، سزا اور انتقام پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام میں رحمت، حکمت اور اصلاحِ انسانیت کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔ بظاہر سختی کا مفہوم رکھنے والے ناموں کا بھی گہری سوچ سے اگر مشاہدہ اور مطالعہ کیا جائے اور ان کے باطنی پہلو پر غور کیا جائے تو یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سزا و جزا اور سختی و انتقام بھی اصلاحِ انسانیت کے لئے ہی لازم رکھا گیا ہے ورنہ سرکش اور باغی لوگ شرفاء کی زندگیاں اجیرن کر دیں اور سرکش اقوام کی بھی اس میں اصلاح اور ذاتی بھلائی ہے جیسا کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا اسمِ مبارک جبار ہے۔ جس کا معنی تو سختی کرنے والا ہے لیکن یہ سختی اصلاح کی خاطر ہے نہ کہ دوسرے کے نقصان یا اُس پر ظلم کی خاطر ہے۔ اس بابت مفصل گفتگو آئندہ صفحات میں کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی برکت والی ذات ہے کہ ہر طرح کی حمد و ثناء اور تعریفیں جو کہ انسانی ادراک میں آسکتی ہیں اِسی ذاتِ پاک کو سزاوار ہیں۔ اس لحاظ سے حسن و خوبی کے جتنے بھی نام ہیں سب اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ تمام نام جو کہ اسماء الحسنیٰ ہیں، تمام صفاتِ خداوندی کو جو کہ کامل حسن و توازن کی مظہر ہیں اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں اور ان کے باطنی پہلو میں تو اور زیادہ حسن اور حکمت ہے۔ قرآنِ مجید میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں اور اس ذاتِ پاک کو ان ناموں سے ہی پکارو۔ ارشاد ہوتا ہے: وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا۔۔۔1 (اور اللہ کے بہت اچھے نام ہیں۔ پس تم اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں سے پکارا کرو۔) کتبِ تفاسیر اور کتبِ احادیث میں اسماء الحسنیٰ کی تعداد ننانوے سامنے آتی ہے اور بعض روایات میں اس سے زیادہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ذاتِ الٰہی کی صفات کا علم بھی اسماء الحسنیٰ کی شرح سے ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے صفاتِ الٰہیہ اور اسماء الحسنیٰ آپس میں مشترک ہیں۔ ذاتِ الٰہی کے مخلوق کے ساتھ رحم و محبت اور سختی اور سزا کے پہلو کو اسماء الحسنیٰ کی معنویت اور شرح سے جانا جا سکتا ہے۔ اسماء الحسنیٰ میں سے زیادہ اسماء ایسے ہیں کہ ان کو خواہ ظاہری معانی سے دیکھا جائے یا باطنی پہلو سے دیکھا جائے، ان میں رحمتِ الٰہی کا غالب پہلو واضح طور پر نظر آتا ہے۔ بعض اسماء جیسا کہ القھار اور المنتقم ایسے اسماء الحسنیٰ ہیں جن کے ظاہری مفاہیم سے ذاتِ باری تعالیٰ کی سختی اور غضب ظاہر ہوتا ہے لیکن حقیقی معانی اور عقلِ سلیم سے بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ان میں بھی رحمت کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور پنہاں ملے گا جیسا کہ جبار کے معنی تو اپنے اندر سختی کا پہلو رکھتے ہیں مگر حقیقتاً اس سے مراد اصلاح کی غرض سے درستگی کے لئے سختی کرنا ہے لیکن مخالفین نے قرآن کے تصورِ خدا کو سختی اور جبر پر مبنی قرار دیا ہے۔ اس کا اظہار پادری برکت علی نے یوں کیا ہے۔ وہ اپنی تالیف "مسیحیت کی عالمگیری" میں یوں بیان کرتے ہیں: "لیکن قرآنی تعلیم کا جو غلط پہلو ہے کہ خدا ایسی جابر ہستی ہے جو اپنے قہر سے گناہگار انسان کو فنا کر دیتی ہے اور دوزخ میں ڈال کر خوش ہوتی ہے"2 لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ صفاتِ باری تعالیٰ کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے بے حد

محبت کرتے ہیں۔ اس بابت قرآنی تصور کا گہرائی سے مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بار بار اس لیے جھنجھوڑا ہے تاکہ وہ راہِ راست پر گامزن ہو کر فلاح و کامیابی کو اپنا مقدر بنائے۔ اگر وہ ذات باری تعالیٰ انسان کو فنا ہی کرنا چاہتی ہے تو بار بار فلاح اور کامیابی کی طرف کیوں بلایا گیا ہے۔

اسماء الحسنیٰ اور قرآن

قرآن میں تقریباً تمام اسمائے الٰہی کا تذکرہ موجود ہے۔ قرآن نے ان اسماء کو اسماء الحسنیٰ کہا ہے اور ان کا ذکر کچھ اس ترتیب سے کیا ہے کہ اس ترتیب سے بھی بغور مشاہدہ کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ان میں رحمت کا پہلو واضح ہے۔ آغاز میں ہی الرحمن اور الرحیم کا ذکر کیا گیا ہے بلکہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے جو کلمات ادا کرنے کی تعلیم دی ہے اس میں رحمت کا تکرار ہے یعنی رحمٰن کے ساتھ رحیم کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ آغاز میں رحمٰن ورحیم کا تذکرہ کرنا، بارہا ذاتِ باری تعالیٰ کا تعارف رحمٰن کے نام سے کروانا، بظاہر سختی اور سزا دینے کے مفہوم کے حامل اسماء کے ساتھ رحیم کا ذکر کرنا اور یہ بیان کرنا کہ میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے' یہ عیاں کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ہاں رحمت کا پہلو غالب ہے۔ قرآن کا آغاز سورۃ فاتحہ سے کیا اور سورۃ فاتحہ کا آغاز ایسے اسماء الحسنیٰ سے کہ جن میں رحمت کی بھرمار ہے۔ سب سے پہلے "رب" سے آغاز کیا جس کا معنی پالنے والا ہے۔ اور پھر الرحمن اور الرحیم کا تذکرہ آیا اور پھر مالک یوم الدین کا بیان فرما کر یہ واضح کر دیا کہ میں خود ہی پالنے والا ہوں اور انتہائی رحم کرنے والا ہوں اور فیصلہ کے دن کا مالک بھی میں خود ہوں اور آپ کا رب اور رحمٰن ورحیم بھی ہوں۔ بعد ازاں قرآن میں بظاہر سختی والے اسماء (وہ بھی اصلاح کی خاطر) کے ساتھ بھی غفار اور رحیم کا ذکر آیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ 3 (دیکھو وہی غالب اور بخشنے والا ہے۔) ان اسماء کے اکٹھا بیان کرنے میں یہ بتانا مقصد ہے کہ وہ ذاتِ پاک ہر چیز پر غالب ضرور ہے، اور وہ ہر مجرم کو سزا دینے پر قادر ہے مگر ساتھ غفار لا کر یہ واضح کر دیا کہ میرے بندے پریشان نہ ہوں میں سزا دینے پر ضرور قادر ہوں مگر مجھے سزا دینے کی بجائے معاف کرنا زیادہ پسند ہے۔ بندے کی توبہ کے انتظار میں رہتا ہوں کہ کب وہ توبہ کرے اور اس کے گناہوں کو معاف کر دوں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اس بابت لکھتے ہیں: "اپنے اسم عزیز کے تقاضے سے ہر وقت سزا پر قادر اور اپنے اسم غفار کے تقاضے سے ہر پچھلے کفر وطغیان کو معاف کر دینے والا مشرکوں کے دیوی دیوتا کی طرح معذور، مجبور، پابند کسی حال میں نہیں۔"4 یہاں ان اسماء کے مفہوم کی وضاحت میں مولانا مودودی لکھتے ہیں: "یعنی زبردست ایسا ہے کہ اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے تو کوئی طاقت اس کی مزاحمت نہیں کر سکتی مگر یہ اس کا کرم ہے کہ تم یہ جو کچھ گستاخیاں کر رہے ہو، اور پھر بھی وہ تم کو فوراً پکڑ نہیں لیتا بلکہ مہلت دیئے جاتا ہے۔ اس مقام پر عقوبت میں تعجیل نہ کرنے اور مہلت دینے کو مغفرت (درگزر) سے تعبیر کیا گیا ہے۔"5 ایک اور مقام پر یوں تذکرہ آیا ہے: وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ 6 (اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔) عزیز کے ساتھ رحیم کے ذکر کیے جانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اُس ذاتِ الٰہی کے بارے یہ نہ سمجھنا کہ تم اس کی نظر سے بچ گئے ہو بلکہ وہ تمام تر غلبہ کے باوجود تم پر رحم کرتا ہے۔ سورۃ الشعراء میں ایسے اسماء الحسنیٰ بابت رحمت ومغفرت اور سختی کئی مقامات پر یکجا آئے ہیں۔ جن کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب ضرور ہے لیکن وہ اپنے بندوں پر رحم کرنے کو ہی ترجیح دیتا ہے۔ گناہ پر فوری سزا کی بجائے توبہ کے لئے مہلت دیتا ہے۔ اس طرح ایسے اسماء کے یکجا بیان کرنے کا مقصد بھی رحمتِ الٰہی کو واضح کرنا ہی ہے۔ اس بابت مولانا مودودی لکھتے ہیں: "یعنی اس کی

قدرت تو ایسی زبردست ہے کہ کسی کو سزا دینا چاہے تو پل بھر میں مٹا کر رکھ دے۔ مگر اس کے باوجود یہ سراسر اس کا رحم ہے کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ برسوں اور صدیوں ڈھیل دیتا ہے۔ سوچنے اور سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیئے جاتا ہے اور عمر بھر کی نافرمانیوں کو ایک توبہ پر معاف کر دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔"7 بعض مقامات پر رحمت و بخشش والے اسماء کو بار بار اکٹھا ذکر کیا جیسا کہ الرحمن الرحیم اور الغفور الرحیا، توابًا رحیا، عفوا غفوراً، غفور حلیم وغیرہ۔ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ8 (بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔) ان اسماء الغفور اور الرحیم کے اکٹھا ذکر کرنے کے مقصد پر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اپنے بندے سے خاص تعلق اور پیار کے بارے میں انسان کو تسلی ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ واضح کرنا مقصد ہے کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ نہ صرف اپنے گناہ گار بندوں کے گناہ معاف کرتی ہے بلکہ مزید رحم کرتے ہوئے انعامات سے بھی نوازنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اسماء الحسنیٰ کی لغویت و گہرائی اور رحمت کا پہلو

اسماء الحسنیٰ کی لغوی وسعت اور گہرائی پر نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اسمائے الٰہی واقعتاً اسماء الحسنیٰ ہیں۔ یہ اسماء الحسنیٰ ہی نہیں بلکہ ہر لحاظ سے مکمل اور جامع مفاہیم کے حامل الفاظ ہیں کہ ان جیسی معنوی وسعت کسی اور لفظ میں ہو ہی نہیں سکتی۔ ان میں معنوی وسعت، گہرائی اور گیرائی کے ساتھ ساتھ ان کے مفاہیم میں رحمت و عدل کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ کسی ایک میں بھی ظلم یا غضب کا پہلو نہ ہے بلکہ غضب یا سزا کا مفہوم رکھنے والے اسماء میں بھی مقصد کے لحاظ سے عدل اور رحمت کا پہلو موجود ہے۔

الرحمن الرحیم اور دیگر اسماء بابت رحمتِ الٰہی

اَسماءُ الحُسنیٰ میں سے یہ دو اسماء ایسے ہیں جن کو ہر لحاظ سے دوسرے اسماء پر فوقیت، کاملیت اور برتری حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن میں سب سے پہلے آغاز قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کا تعارف کروانے کے بعد الرحمن اور الرحیم ہونے کا تعارف یکجا کروا دیا۔ رحمت کو واضح کرنے کے لئے مبالغہ کا صیغہ استعمال کر کے دونوں نام ایسے ذکر فرما دیے جن سے رحمتِ الٰہی کی انتہا ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن کے آغاز میں الرحمن اور الرحیم کا ذکر کر کے ہی رحمت کے بیان کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ قرآن مجید میں بارہا دوسرے مقامات پر بھی ان اسماء اور ان سے متعلقہ رحمتِ الٰہی کا واضح مفہوم رکھنے والے اسماء الحسنیٰ کا یکجا ذکر فرمایا ہے۔ قرآن میں کئی مقامات پر الرحیم سے پہلے غفور آیا ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ9 (بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے) ایک اور مقام پر فرمایا: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِیْمُ10 (اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے) اس سے یہ واضح کرنا ہے کہ وہ غفور اس وجہ سے ہے کہ وہ ہماری غلطیوں، گناہوں اور کوتاہیوں کو معاف کرتا ہے اور ساتھ صفتِ رحیمی کے تحت وہ غلطیوں کے باوجود رحم کرتے ہوئے غلطیاں نہ صرف معاف کرتا ہے بلکہ مزید انعامات سے بھی نوازتا ہے اور توبہ کے نتیجہ میں گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر ایسا ذکر آیا ہے کہ کسی جگہ الغفور اور الرحیم، کہیں حلیم اور غفور اور کسی جگہ عفواً اور غفوراً کا ذکر اکٹھا ملتا ہے۔ یہ سب اسماء رحمتِ الٰہی کا واضح مفہوم دے رہے ہیں اور ایک ہی مقام پر دو اکٹھے رحمت و مغفرت والے اسماء کا ذکر بارہا کر کے یہ واضح کیا گیا ہے کہ رحمتِ الٰہی ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لگ بھگ ایک سو اسماء الحسنیٰ کا ذکر ملتا ہے

جن میں سے دو یا تین اسماء کے علاوہ دوسرے تمام رحمت کا واضح مفہوم رکھتے ہیں۔ بظاہر سختی کا مفہوم رکھنے والے اسماء کا قرآن میں جن جن مقامات پر تذکرہ آیا ہے ان کا اگر سیاق وسباق کے ساتھ گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ان کے بیان اور تذکرے میں بھی رحمت کا پہلو ضرور نظر آتا ہے۔ یہاں رحمت کا واضح مفہوم رکھنے والے اسماء کا تذکرہ کیا جارہا ہے اور بظاہر سختی کا مفہوم رکھنے والے اسماء پر مفصل گفتگو بعد میں کی جائے گی۔ جہاں تک ان اسماء الحسنیٰ کا تعلق ہے جن میں رحمت و محبت اور مغفرت کا واضح مفہوم اور پہلو نظر آتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ، الرحمن، الرحیم، الخالق، الغفار، الرزاق، الوہاب، الہادی، الولی، الودود، الوالی، الوارث، النور، النافع، المھیمن، المومن، المعطی، المصور، الکریم، الغفور، العفو، التواب، الحفیظ، السلام، الحلیم، الحکیم، رؤف، البر، الرقیب، المغیث، شہید، قریب، مجیب، الفتاح، الواسع، الباری اور الباسط شامل ہیں۔ ربّ تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ ہے اور باقی تمام صفاتی نام ہیں۔ صفاتی اسماء کی وضاحت سے پہلے ذاتی نام کی وضاحت اور اس میں رحمت کے پہلو کو مختلف مفسرین کی تالیفات کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔

اللہ

معبود برحق کا ذاتی نام اللہ ہے اور یہ ہر لحاظ سے مکمل اسم مبارک ہے۔ یہ ایسا مکمل اسمِ مبارک ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی لفظاً یا مفہوماً کی ہی نہیں جاسکتی۔ اس کے حروف جتنے گھٹاتے یا ہٹاتے جائیں گے اتنی ہی اس کے مفہوم میں وسعت اور صفات الٰہیہ سے متعلقہ ہمہ گیری پیدا ہوتی جائے گی۔ جیسے پہلا الف ہٹانے سے للہ اور پھر لام ہٹانے سے لہ اور دوسرا لام بھی ہٹادیں تو صرف ھو بھی اس کی توحید کی نشاندہی کر رہا ہے۔ اس کے لغوی مفہوم اور اصطلاحی معنی میں غور کیا جائے تو اس میں واضح طور پر رحمت اور محبت کا پہلو نظر آتا ہے۔ مختلف علماء و مفسرین نے اس کے معنی پناہ، تسکین کا ذریعہ اور دل کے آرام کا ذریعہ بیان کیے ہیں جو کہ سختی و غضب کا سبب نہیں بلکہ رحمت و محبت کا واضح مفہوم رکھتے ہیں۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اس کی یوں وضاحت کی ہے: "اللہ وہ ہے جو آرام دل عارفین ہے۔ اللہ وہ ہے جو تسکین قلب مضطرین ہے" 11 مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے بھی اس کی وضاحت کی ہے: "وہ جس کی پناہ میں جا کر یا اس سے تعلق پیدا کر کے میں نے سکون و اطمینان حاصل کیا ہے۔ آدمی کسی مصیبت یا تکلیف کے نزول سے خوف زدہ ہو اور دوسرے نے اس کو پناہ دی۔" 12 مفرداتُ القرآن میں بھی اس کے معنی اور وضاحت، محبت میں بے خودی اور ایسی ذات جس کی ذات وصفات سے عقول متحیر ہو جائیں، بیان ہوئے ہیں۔ صاحبِ مفردات القرآن لکھتے ہیں: "بعض نے لکھا ہے کہ یہ اله بمعنی تحیر سے مشتق ہے اور باری تعالیٰ کی ذات وصفات کے ادراک سے چونکہ عقول متحیر ہیں اس لیے اسے اللہ کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ الٰہ اصل میں ولاہ ہے۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل کر الاہ بنالیا ہے اور ولہ کے معنی عشق و محبت میں دارفتہ اور بے خود ہونے کے ہیں۔" 13 مولانا عبد الماجد دریابادی اس بابت لکھتے ہیں: اللہ خدا کے لئے اسمِ ذات ہے، کسی اور ہستی پر اس کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ فارسی کے خدا یا انگریزی کے "گاڈ" کی طرح اسمِ نکرہ نہیں کہ معبودِ واضح کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی بولا جاسکے۔ اس کی جمع نہ آئی ہے، نہ تثنیہ، نہ یہ کسی لفظ سے مشتق ہے اور نہ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہے۔" 14 مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی تالیف "اُمّ الکتاب" میں بھی یہ واضح کیا ہے کہ احکام الحاکمین کا ذاتی نام اللہ ہے اور اس سے مراد ایسی ہستی ہے جس کی صفات سے عقول متحیر ہو جائیں۔ اس طرح یہ ذاتی اسمِ الٰہی دوسرے تمام صفاتی اسماء پر حاوی ہو گیا۔ صرف یہ ایک نام ذکر کرنے سے تمام صفاتِ الٰہیہ اس میں آجائیں گی۔ مولانا

ابو الکلام آزاد اس بابت بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم اللہ کا تصور اس کی کسی صفت کے ساتھ کریں، مثلاً الرّبّ الرحیم کہیں تو یہ تصور صرف ایک خاص صفت ہی میں محدود ہو گا۔ یعنی ہمارے ذہن میں ایک ایسی ہستی کا تصور پیدا ہو جائے گا جس میں ربوبیت یا رحمت ہے لیکن جب ہم اللہ کا لفظ بولتے ہیں تو فوراً ہمارا ذہن ایک ایسی ہستی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو ان تمام صفاتِ حسن و کمال سے متصف ہے جو اس کی نسبت بیان کیے گئے ہیں، اور جو اس میں ہونے چاہئیں۔15 جمہور علماء و مفسرین کے نزدیک لفظ اللہ کا مادہ "الہ" ہے یعنی (ا-ل-ہ) اور اس کے تحت اس کے معنی مختلف لغات اور کتب تفسیر میں مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں گھبرا کر کسی کی پناہ ڈھونڈنا یا پناہ دینا۔ متحیر ہونا، بلند مرتبہ ہونا وغیرہ شامل ہیں اور یہی ا-ل-ہ لفظ الہٰ کا بھی مادہ ہے جس کے معانی معبود (جس کی عبادت کی جائے) بنتے ہیں۔ ان سب مفاہیم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام اپنے اندر لفظی، معنوی، اجمالی اور وضاحتاً ہر لحاظ سے رحمت، امید اور محبت و شفقت کا مفہوم رکھتا ہے۔

رحمت کا واضح مفہوم رکھنے والے اسماء کا بیان

رب تعالیٰ کے ذاتی نام "اللہ" کے بیان اور صفاتی نام الرحمن اور الرحیم کے بیان سے جو قبل ازیں گزر چکا ہے، یہ واضح ہو گیا ہے کہ ان میں رحمتِ الٰہی کی انتہا نظر آتی ہے۔ ان تینوں اسماء کے علاوہ دوسرے بھی کافی اسماء بلکہ تمام اسماء الحسنیٰ سوائے چند ایک کے سب میں رحمت کا واضح پہلو موجود ہے۔ مفسرین نے قرآنِ مجید میں ان اسماء کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے ہوئے جو معانی بیان کیے ہیں ان سے واضح پتہ چلتا ہے کہ ان میں رحمتِ الٰہی کا کسی نہ کسی حوالے سے کوئی پہلو ضرور موجود ہے۔ مثلاً غفور اور تواب کے معانی اور وضاحت پر ہی غور کریں اور پھر قرآن میں ان مقامات اور سیاق و سباق پر غور کریں جہاں ان اسماء کا تذکرہ ہوا ہے تو بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ ان کے بیان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی رحمت کی انتہا کو واضح کرنا چاہتا ہے۔ قرآن میں بارہا الغفور اور التواب کا ذکر کیا ہے اور ان دونوں اسماء کے ساتھ الرحیم کا ذکر بھی ضرور آیا ہے۔ ایسے مقامات پر سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو گناہ گاروں کا تذکرہ کر کے پھر خالقِ کائنات نے اپنے الرحیم، التواب، الغفور اور الرحمٰن ہونے کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی پھر رحمتِ الٰہی سے ناامید ہونے سے بھی منع فرمادیا ہے۔ قرآن میں سورۃ آلِ عمران (آیت نمبر ۳۱، ۸۹، ۱۲۹، ۱۵۵)، سورۃ النساء (آیت نمبر ۱۶، ۲۳، ۲۵، ۴۳، ۶۴، ۹۶، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۲۹، ۱۵۲) سورۃ المائدہ (آیت نمبر ۱۰۱، ۹۸، ۷۴، ۳۹، ۳۴، ۳) اور دوسرے کئی مقامات پر ایسے اسماء الحسنیٰ کا اکٹھا تذکرہ گناہ گاروں کے بیان کے ساتھ ہی آنا یہ امید پیدا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان، رحمٰن اور رحیم و کریم ہیں اور اپنے بندوں کو گمراہی، نقصان اور اندھیروں سے نکالنے کے ہزاروں اسباب پیدا کرنے والے ہیں۔ ان اسماء کے معانی مفسرین کرام کے مطابق اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ الرحمٰن معنی بڑا مہربان، الرحیم معنی نہایت رحم کرنے والا،، الغفور معنی بخشنے والا، التواب معنی توبہ قبول کرنے والا۔ ان اسماء الحسنیٰ کے ساتھ دو اور اسماء الحلیم اور العفو کا ذکر بھی اکٹھا آیا ہے جن کے معانی بردبار اور درگزر کرنے والا ہیں۔ مفسرین نے الرحمن، الرحیم، التواب اور العفو وغیرہ کا ترجمہ صرف رحم کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا اور درگزر کرنے والا نہیں کیا بلکہ بڑا مہربان، نہائت رحم کرنے والا، بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور بڑا درگزر کرنے والا کیا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آئت نمبر ۱۶۰ کے آخری حصہ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ 16 کا ترجمہ مولانا ابو الکلام آزاد نے اس طرح کیا ہے۔ "اور ہم بڑے ہی درگزر کرنے والے اور رحمت سے بخش دینے والے ہیں۔17 مفردات القرآن میں یہاں "التواب" کا ترجمہ بڑا معاف کرنے والا اور وضاحت میں بار

بار توبہ قبول کرنے والا اور کثرت سے قبول کرنے والا بیان کیا گیا ہے۔ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع نے بھی ادھر التواب کا ترجمہ بڑا معاف کرنے والا کیا ہے۔ ان اسماء کے علاوہ دوسرے اسماء میں سے کچھ اسماء ہیں جو بظاہر رحمت کا واضح مفہوم نہیں رکھتے لیکن اگر گہری سوچ اور عقلی دلائل سے کام لیا جائے تو ان میں رحمتِ الٰہی کا پہلو زیادہ واضح نظر آتا ہے۔ ان اسماء میں ربّ۔ خالق، الباری، المصور، السلام، الجبار، دوسرے کافی اسماء شامل ہیں۔ ان سب میں رحمت کا پہلو عیاں یا پنہاں ضرور نظر آتا ہے۔ ان اسماء میں سے ہر ایک کے مفہوم میں رحمتِ الٰہی کی جھلک نظر آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنا تعارف "رب" کے اسم پاک سے کروایا ہے جیسا کہ آغاز قرآن میں سورۃ فاتحہ میں اپنے ذاتی نام "اللہ" کے بعد "رب" کا ذکر کیا اور پھر رحمٰن اور رحیم کا ذکر آیا۔ ربّ کا معنی ہے پالنے والا بلکہ مفردات القرآن میں امام راغب نے تو اس کا مفہوم مزید واضح کر دیا ہے جس سے اس میں رحمتِ الٰہی کی انتہاء نظر آرہی ہے۔ اس بابت وہ لکھتے ہیں: اَلرَّبُّ فِي الْاَصل اَلتَّرْبِية وهو انشاء الشئ حالا فحالا الى حَدَّ التَّمَام رب کے اصل معنی تربیت کرنا یعنی کسی چیز کو تدریجاً نشوونما دے کر حدِ کمال تک پہنچانا۔18 اس ضمن میں ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر وہ واقعی رب اور پالنے والا ہے تو اپنے بندوں کی ہر دعا قبول کیوں نہیں کرتا۔ بندے دُعا کر کر کے تھک جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اس کے جواب میں مولانا احمد یار خاں نعیمی نے یوں بیان کیا ہے: "بندہ اپنی ناسمجھی سے بعض اوقات وہ دعائیں مانگ لیتا ہے جو انجام کار اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ رب تعالیٰ چونکہ علیم وخبیر ہے وہ اپنے عین فضل و کرم سے ان کو قبول نہیں فرماتا۔ اس کا قبول نہ فرمانا اس کا کرم ہے، نہ کہ ظلم، نا سمجھ بچہ اپنے عقلمند باپ سے شہد مانگتا ہے۔ باپ جانتا ہے کہ یہ شہد اس کو نقصان دے گا۔ بیوقوف بیمار حکیم سے خوش رنگ اور مزیدار دوائیاں مانگتا ہے لیکن وہ اس کو کڑوی دوائیں پلاتا ہے، تو یہ اس باپ اور حکیم کا اس پر عین کرم ہے۔" 19 ترجمان القرآن میں بھی "رب" کا مفہوم اس طرح لکھا ہے: "کسی چیز کو یکے بعد دیگرے اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق، اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ وہ اپنی حدِ کمال تک پہنچ جائے۔" 20

ایک اور مقام پر ابو الکلام آزاد نے ربوبیت کی وضاحت میں یوں بیان کیا ہے کہ ربوبیت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں سود مند اشیاء کی موجودگی کے ساتھ ان کی بخشش و تقسیم کا ایک نظام بھی موجود ہے اور فطرت صرف بخشتی ہی نہیں بلکہ جو کچھ بھی بخشتی ہے وہ ایک مقررہ انتظام اور ایک منضبط ترتیب و مناسبت کے ساتھ بخشتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر وجود کو زندگی اور بقاء کے لئے جس جس چیز کی ضرورت تھی اور جس جس طرح، جس جس وقت اور جیسی جیسی مقدار میں ضرورت تھی، ٹھیک ٹھیک اِسی طرح، انہی وقتوں میں اور اُسی مقدار میں اُسے مل رہی ہے اور اسی نظم و انضباط سے یہ کارخانۂ حیات چل رہا ہے۔ 21 مولانا صلاح الدین یوسف نے "احسن البیان" میں بھی اس ضمن میں ایسی ہی وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "رب" اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کو تکمیل تک پہنچانے والا" 22 حقیقت یہ ہے کہ "ربّ" کے اسم میں الرحمن اور الرحیم کی سی رحمت کا مفہوم پایا جاتا ہے کیونکہ پالنا اور پھر بتدریج پالتے ہوئے درجہ کمال تک لے جانا اور بعد میں بھی نگہداشت کرنے کا عمل وہی کر سکتا ہے جس میں رحمت و محبت کا عنصر موجود ہو۔ ماں کی ہی مثال لے لیں کہ وہ بچے کو برابر پال رہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں بچے کے لئے رحم کا مادہ پیدا کر دیا ہے۔ رب کی اپنے بندے سے محبت اور رحمت تو ماں کی بچے سے محبت سے کئی گنا زیادہ ہے۔ یہ جو ستر ماؤں سے

زیادہ اللہ کی اپنے بندے سے محبت پر مبنی روایات ملتی ہیں ان کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات (نعوذ باللہ) پابند ہے کہ وہ ستر ماؤں کی سی محبت کرے بلکہ وہ ذات تو کئی گنا زیادہ بلکہ اپنے بندے سے بے حد و حساب محبت کرتی ہے۔ قرآن میں جن مقامات پر اسمِ مبارک "ربّ" آیا ہے ان کا سیاق و سباق کے حوالے سے مطالعہ کرنے سے اس بات کا بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ اس لفظ میں رحمتِ الٰہی کی کتنی وسعت ہے۔ آغازِ قرآن میں تو "ربّ العالمین" کہہ کر بیان کیا کہ وہ کسی ایک مخلوق کا رب نہیں بلکہ تمام مخلوقات، جن و انس وغیرہ کا پالنے والا ہے۔ اس کی یہ صفتِ محبت و رحمت کسی ایک انسان تک محدود نہ ہے۔ ربّ العالمین میں عالمین سے مراد تمام مخلوقاتِ خدا ہیں۔ اس بابت شبیر احمد عثمانی اس طرح بات کو واضح کرتے ہیں: "عالم سے مراد ہر ہر جنس مثلاً عالم جن، عالم ملائکہ، عالمِ انس وغیرہ وغیرہ ہیں" 23

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفتِ رحمت کو صرف اپنے فرمانبرداروں تک ہی محدود نہیں کیا بلکہ اسے ہر ایک کے لیے وسیع کر دیا ہے۔ قرآن میں کہیں بھی "رب المسلمین" یا "رب الیہود" یا "رب المومنین" کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے بلکہ "رب الناس" کی اصطلاح استعمال کر کے واضح کر دیا کہ اس کی یہ صفت رحمت ہر ایک کے لئے وسیع کر دی گئی ہے۔ سورۃ الناس میں یہ واضح کر دیا کہ وہ تمام انسانوں کا ربّ ہے اور وہ مالک بھی تمام انسانوں کا ہے بلکہ وہ الٰہ (معبود) بھی تمام انسانوں کا ہے۔ اسماء الحسنیٰ کے ظاہری مفہوم پر غور کیا جائے تب بھی رحمتِ الٰہی کی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔ اور اگر لغوی و اصطلاحی وسعت و حکمت پر نظر ڈالی جائے تو پھر رحمت ہی رحمت بلکہ رحمت کی انتہاء نظر آئے گی۔ اسم حسن "الخالق" پر ہی غور کریں کہ ظاہری لحاظ سے تو اس کا معنی صرف پیدا کرنے والا ہے لیکن لغوی اعتبار سے اس سے مراد مناسب حکمت کے تحت مناسب شکل و انداز میں پیدا کرنا، بنانا، بناتے وقت کسی چیز کو صحیح اندازے، تناسب اور توازن کا خیال رکھنا ہے۔ محمد علی چراغ نے اس بابت یوں بیان کیا ہے: "لفظ خالق کا مادہ (خ۔ل۔ق) ہے۔ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو بنانے یا کاٹنے کے لئے اسے ماپنا، اس کا اندازہ لگانا، اس کے تناسب اور توازن کو دیکھنا یا ایک چیز کو دوسری چیز سے بنانا کے ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے خلق کے معنی ہوں گے مختلف عناصر کو نئی نئی ترکیبیں دے کر ان سے اور چیزیں پیدا کرتے چلے جانا۔" 24 معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع نے "الخالق" کے مفہوم میں یوں لکھا ہے: "پیدا کرنے والا، ٹھیک ٹھاک بنانے والا ہے (یعنی ہر چیز کو حکمت کے موافق بناتا ہے)" 25 قرآنِ مجید میں یہ اسمِ پاک کئی مقامات پر آیا ہے جیسا کہ سورۃ الحشر میں آیت نمبر ۲۴ میں تخلیق سے متعلقہ تمام صفات اور اسماء الحسنیٰ کا ذکر فرما دیا۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى 26 (وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب اچھے اچھے نام ہیں۔) اِسی طرح ایک مقام پر احسن الخالقین کا بھی ذکر آیا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ 27 (پس بابرکت ہے اللہ کی ذات جو سب سے بہتر تخلیق کرنے والی ہے)

یہاں انسان کی تخلیق کے مراحل بیان کرنے کے بعد بیان کیا کہ ہم بہت ہی بہتر بلکہ خوبصورت انداز میں پیدا کرنے والے ہیں، یہاں احسن الخالقین سے مراد اعتدال اور تناسب سے پیدا کرنے سے بھی اگلی سطح ہے یعنی عدل سے اگلا اور بہترین مرحلہ احسان کا ہے۔ احسان سے بھی بہتر۔ یعنی اس کی انتہائی شکل احسن یعنی سب سے بہتر انداز میں پیدا کرنے والا۔ اس بابت مفردات القرآن میں وضاحت موجود ہے کہ احسان عدل سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ دوسرے کا حق پورا ادا کرنے اور اپنا حق پورا لینے کا نام عدل ہے لیکن احسان یہ ہے کہ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے۔ اس اسم حسن "الخالق" کا ظاہری معنی تو صرف "پیدا

کرنے والا“ ہے لیکن اس کی گہرائیوں پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں تمام مخلوقات خدا کے لئے عموماً اور انسان کے لئے خصوصاً رحمت، فضل اور محبتِ الٰہی کی انتہا نظر آتی ہے۔ اس لفظ کی معنوی وسعت اور حکمتوں پر نظر ڈالنے سے ساری وضاحت عیاں ہو جاتی ہے۔ اس میں معنوی وسعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ بہتر انداز اور ترتیب سے پیدا کیا ہے۔ انسان پر رحمتِ الٰہی کی انتہاء اس لحاظ سے کہ واضح کر دیا کہ ہم نے انسان کو بہتر انداز میں پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ28 (ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے) اس اسم حسنیٰ میں رحمتِ الٰہی کا سب سے بڑا عنصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں مخلوقات کو ایسے اعتدال، حکمت اور ترکیب سے پیدا کیا ہے کہ ہر ایک دوسرے کی ضرورت پوری کر رہی ہے۔ مزید یہ کہ سب مخلوقات مل کر انسان کی ضروریات پوری کر رہی ہیں بلکہ انسان کی سہولت اور آرام کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ کائنات کی ہر مخلوق جانور، چرند، پرند، زمین و آسمان، سورج اور ستارے صرف انسان کی سہولت اور خدمت کے لئے پیدا کیے ہیں اور واضح کر دیا کہ ہر چیز انسان کے تابع کر دی ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی ان تخلیقات کا ذکر کیا وہاں انسان کے لئے مسخر کرنے کا لفظ ضرور آیا جس کے لیے بارہا ”سَخَّرَ لَكُمْ“ کا ذکر آیا بلکہ بعض مقامات پر مزید واضح کرنے کے لئے ”سَخَّرْنَاكُمْ“ کا ذکر کیا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے (انسان کے لئے) مسخر کر دیا، کا ذکر کر کے مزید وضاحت کر دی کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے خود انسان کے لئے پیدا کی ہے۔

عدل اور سختی کا مفہوم رکھنے والے اسماء کا بیان

اسماء الحسنیٰ میں سے کچھ اسماء ایسے ہیں جن کے مفہوم سے ذرا سختی ظاہر ہوتی ہے لیکن اگر ان کی معنوی گہرائی اور سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو ان میں بھی رحمتِ الٰہی نظر آئے گی۔

العدل

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ بظاہر تو اس میں اس کے مفہوم کے اعتبار سے سختی نظر آ رہی ہے لیکن اگر اس کی معنوی گہرائی، حکمت اور وسعت پر نظر ڈالی جائے تو اس میں رحمت الٰہی پنہاں نظر آئے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ عدل اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ خود بھی عادل ہے اور کائنات کا نظام ایک انتہائی معتدل طریقے سے چلا رہا ہے اور مزید یہ ہم پر احسان کیا کہ ہمیں عدل سے معاملات چلانے کا حکم دیا اور جہاں بھی عدل کا حکم آیا ساتھ ہی احسان کا حکم بھی آیا ہے اور ظلم کی ممانعت آئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ29 (بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔۔۔) صرف عدل کا حکم نہیں بلکہ ساتھ ساتھ احسان کا بھی حکم دے دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عدل کے ساتھ ساتھ احسان بھی باہم لازم و ملزوم ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ احسان کے بغیر عدل نامکمل ہے اور عدل کے بغیر احسان نامکمل ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل کی بھی خوبی ہے کہ اس میں احسان اور رحم کا پہلو غالب ہے۔

الجبار

یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے ہے۔ یہ جبر سے ہے اور اس کا معنی درست کرنا ہے۔ یہ سختی کے معانی و مفہوم رکھتا ہے۔ ظاہری طور پر صرف اس کا لغوی مفہوم دیکھا جائے تو وہ صرف سختی سے متعلقہ ہی ہو گا لیکن اصطلاحاً اس سے مراد ظلم اور نقصان والی سختی نہیں بلکہ اصلاح اور فائدے والی سختی ہے۔ باپ کی بیٹے کے لئے بغرض اصلاح سختی کو جبر کہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ

کے اسمِ پاک کے طور پر یہ آئے گا تو اس سے مراد اللہ کی اپنے بندوں پر ان کی اصلاح، کامیابی اور فلاح کے لئے سختی ہے۔ اس بابت مولانا مودودی یوں وضاحت کرتے ہیں: ”جبر کے معنی ہیں کہ کسی چیز کو طاقت سے درست کرنا، کسی شے کی بزور اصلاح کرنا۔ لیکن اس کا حقیقی مفہوم اصلاح کے لئے طاقت کا استعمال ہے“ 30 قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے ”الجبار“ کا مفہوم یوں بیان کیا ہے: ”اللہ تعالیٰ کا نام جبار ان معنوں میں ہے کہ وہ ریڑھ کی ہڈی کی گرہوں کو پیوستگی دینے والا، شکستہ دل انسانوں کو ڈھارس دینے والا، کشتی شکستگان کو ساحل پر پہنچانے والا۔ وہی دوائے دردمنداں ہے اور وہی مرہم شکستہ دلاں“ 31 کوئی چیز اُس وقت تک پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتی جب تک وہ صبر اور پابندی کے مرحلہ سے نہ گزرے۔ مثلاً ایک طالب علم اگر وقت کی پابندی نہ کرے اور اپنے اوپر مطالعہ کی عادات سختی سے عائد نہ کرے تو وہ کامیاب نہیں ہو گا۔ سونا آگ میں سے نہ گزرے تو کندن نہ بن سکے گا۔ یہی حال انسان کا ہے کہ جب تک احکاماتِ الٰہیہ پر عمل نہ کرے تو دنیا و آخرت میں کامیاب نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس معاملے میں سختی کرتے ہیں تا کہ انسان سیدھے رستے پر چلے اور گمراہی سے بچ جائے۔ اس سختی میں اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا احسان اور رحمت ہے کہ وہ ہمیں نیکی کے راستہ کی طرف بلاتا ہے تا کہ ہم کامیاب ہو جائیں۔ قرآن میں جہاں کہیں بھی ایسی سختی والی آیات آئی ہیں تو ساتھ یہ بھی الفاظ ضرور آئے ہیں۔ لعلکم تفلحون، لعلکم ترحمون وغیرہ۔ اسی طرح قرآن پاک میں ایسے کئی مقامات ہیں جن کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو فلاح اور رحمت کی طرف ہی بلاتے ہیں۔

سزا اور بدلہ کا مفہوم رکھنے والے اسماء کا بیان

اسماء الحسنیٰ میں سے اکثر ایسے اسماء ہیں جن میں واضح طور پر رحمتِ الٰہی کی انتہا نظر آتی ہے اور باقی میں سے ایسے بھی ہیں جن میں سختی اور رب تعالیٰ کی بڑائی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ننانوے اسماء الحسنیٰ میں سے چند ایک تین یا چار ایسے ہیں جن کے مفہوم سے واضح سختی، سزا اور بدلہ لینے کا تصور سامنے آتا ہے۔ لیکن اگر ان باطنی پہلو پر غور کیا جائے اور ان مقامات کا سیاق وسباق کے حوالے سے گہرا مطالعہ کیا جائے جہاں قرآن میں ان اسماء کا تذکرہ آیا ہے تو رحمتِ الٰہی کی وسعت اور اس کے غلبہ کا اثبات ہو جاتا ہے۔ ان اسماء الحسنیٰ میں القھار، المنتقم، شدید العقاب وغیرہ شامل ہیں۔

اَلْقَھَّار

قہار قہر سے ہے۔ قہر کے معنی غلبہ کے ہیں۔ قھار وہ ہے جو ہر ایک پر غالب سے غالب تر ہے، جو ہر ایک زبردست کو زیر کرنے والا ہے۔ اس صفتِ الٰہی میں انسان کے لئے رحمت کا پہلو یہ ہے کہ وہ ذات ہر ایک پر غالب ہے۔ کوئی اس کے سامنے پر مارنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس نے سب پر غالب ہو کر تمام مخلوقاتِ کائنات پر انسان کو حقِ تمتع دیا ہے۔ اگر وہ ذات مکمل طور پر زبردست اور القھار (نعوذ باللہ) نہ ہوتی تو انسان کے لئے کائنات کی ہر چیز مسخر نہ ہوتی اور انسان کائنات سے مکمل طور پر فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ مزید یہ کہ آخرت کے دن بھی اسی کا غلبہ ہو گا اور اس وجہ سے گناہ گاروں پر رحم کی امید ہے کیونکہ قرآنی تعلیمات کے سیاق وسباق سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جہاں بھی قہر کا ذکر آیا تو ساتھ ساتھ توبہ اور رحم و مغفرت کا ذکر بھی آیا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں اپنے ربّ، رحمٰن اور رحیم ہونے کا ذکر کر کے فرمایا کہ میں ہی فیصلہ کے دن کا مالک ہوں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت کے دن کے مالک ہونے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا تذکرہ کرنے کے ساتھ

القھار کا ذکر کیا۔ ارشاد فرمایا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ 32 (آج بادشاہی کس کی ہے، اللہ کی ہے جو واحد اور قہار (غالب) ہے۔) اس کے سیاق وسباق پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پہلے مشرکین کی بات چل رہی ہے اور پھر واضح کیا کہ وہ واحد معبود ہے اور قیامت کے دن بھی اُسی کا غلبہ ہو گا اور واحد کا غلبہ ہو گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ قیامت کے دن سب کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اس سے پتہ چل گیا کہ ظلم نہیں ہو گا تو عدل ہو گا۔ عدل رحمت کے زیادہ قریب ہے۔ عدل میں بظاہر رحمت نہ بھی ہو، پھر بھی عدل کا نتیجہ رحمت کی شکل میں ہی سامنے آتا ہے۔

اَلْمُنْتَقِم

منتقم انتقام سے ہے جس کے معنی بدلہ لینے کے ہیں۔ المنتقم کے معانی ہیں بدلہ لینے والا، انتقام لینے والا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک المنتقم ہے۔ اس کا مفہوم تو انتقام لینے والا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ربّ تعالیٰ جو اپنے گناہ گار بندوں کو بھی "اے میرے بندو!" کے پیار بھرے لہجے میں پکارتا ہے وہ انتقام کیسے لے سکتا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ اس کے بدلہ لینے میں بھی انسانیت کے لئے رحمت کا پہلو موجود ہے۔ وہ منتقم ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ارادتاً اللہ تعالیٰ کے نظام کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں خصوصاً جو انسانیت پر ظلم کرنا اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں۔ ایسے ظالمین کا قلع قمع کرنا دوسری انسانیت کے لئے رحمت اور امن کا سبب بنتا ہے ورنہ وہ برائی اور فساد پھیلا کر اللہ کی مخلوق کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں اور ان کے لئے گمراہی کا سبب بھی بنتے ہیں۔ قرآن حضرت نوحؑ کی قوم کی تباہی کے لئے پکار کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نوح کی زبانی یہ بیان کرتا ہے کہ اگر ان کو بچایا گیا تو یہ انسانیت کو گمراہ کر دیں گے۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا 33 (اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہو گی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہو گی۔) قرآن مجید میں جہاں مجرمین، ظالمین اور مشرکین اور اللہ کی نشانیوں سے منہ پھیرنے والوں کی بات کی اور ان کے اعمالِ بد کا تذکرہ کیا جو بار بار تبلیغ و وعظ کرنے کے باوجود اعمال بد اور ظلم سے باز نہیں آتے، اس کے ساتھ ہی ان سے انتقام کا تذکرہ کیا گیا اور اپنی اس صفت کا ذکر کیا۔ بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اوامر و نواہی کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس میں ہی انسان کی بھلائی ہے اور بعد میں کفر، اعمالِ بد اور ظلم پر اٹک رہنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ جو نہ مانے تو اللہ بڑا انتقام لینے والا ہے۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے: وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ 34 (اور جو پھر (ایسا کام) کرے گا تو خدا اس سے انتقام لے گا اور خدا غالب اور انتقام لینے والا ہے) آیت کریمہ کے اس حصہ کے سیاق وسباق پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گناہ اور ظلم پر معاف کر دیا اور اعلان کیا کہ پہلے جو ہو چکا اس پر باز پرس نہیں، وہ معاف کر دیا لیکن پھر جو ایسا کرے تو اللہ تعالیٰ انتقام لینے والے ہیں۔ اس میں سختی، غضب والی بات نہیں بلکہ انسان کے لئے بھلائی، اصلاح، رحمتِ الٰہی پر مبنی حکمتیں پنہاں ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام اسماء الحسنیٰ کے مفاہیم سے ربّ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ محبت، نعمتوں کی عطا اور فراوانی، سلامتی، امن اور نفع ثابت ہوتا ہے۔ قرآن نے ان اسماء کو اسماء الحسنیٰ کا نام دیا ہے۔ حسنیٰ حسن سے ہے اور حسن اور احسان کا مادہ ایک ہی ہے۔ عدل اور احسان کی اصطلاحات میں سے دونوں میں رحمت کا پہلو موجود ہے لیکن احسان میں رحمت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء جن سے صفاتِ الٰہیہ کا پتہ چلتا ہے کو اسمائے حسنیٰ کہا ہے نہ کہ اسمائے عدل یا اسمائے جبار و غضب۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر غضب اور نعوذ باللہ ظلم کرنا پسند ہوتا جیسا کہ کچھ طبقات نے اشکالات ظاہر کئے ہیں تو ان اسماء کو اسماء الحسنیٰ نہ کہا

جاتا۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے: هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى 35 (وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب سے اچھے نام ہیں۔) اسماء الحسنیٰ میں سے جس پر جس پہلو سے بھی غور کیا جائے تو اس میں حسن ہی حسن اور عمدگی نظر آئے گی۔ اس ضمن میں عبد الوکیل علوی نے "الاسماء الحسنیٰ" کے آغاز میں یوں بیان کیا ہے: "اسماء الحسنیٰ کو حسنیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان ناموں پر جس پہلو سے غور کیا جائے، خواہ علم و دانش کی رو سے اور خواہ قلبی احساسات، جذبات کے اعتبار سے، سراپا عمدگی ہی عمدگی اور حسن ہی حسن نظر آتے ہیں۔" 36 اس کی وضاحت میں ابو الکلام آزاد نے یہ واضح کیا ہے کہ تمام اسماء الحسنیٰ خواہ رحمت سے متعلق ہوں یا قہر و جلال سے متعلق، ان میں حسن و خوبی ہے اور جو چیز حسن اور خوبی رکھتی ہو وہ بالآخر رحمت ہی ثابت ہوتی ہے۔ وہ اپنی تالیف "ترجمان القرآن" میں لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی کوئی صفت نہیں جو حسن و خوبی کی صفت نہ ہو، ان میں ایسی صفات بھی ہیں جو بظاہر قہر و جلال کی صفات ہیں مثلاً جبار، قہار لیکن قرآن کہتا ہے وہ بھی اسمائے حسنیٰ ہیں کیونکہ ان میں قدرت و عدالت کا ظہور ہوا ہے اور قدرت و عدالت حسن و خوبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیات میں صفات رحمت و جلال کے ساتھ قہر و جلال کا بھی ذکر کیا ہے پھر ان سب کو اسمائے حسنیٰ قرار دیا ہے۔ 37 اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ اس نے قرآن میں اپنے رحیم اور غفور ہونے کا ذکر زیادہ اور قہار اور منتقم ہونے کا ذکر بہت کم کیا ہے۔ اس بابت رئیس احمد جعفری "اسلام اور عدل و احسان" میں وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ان مطلق العنانہ اختیارات کے باوجود اس نے خود اپنی مرضی سے اپنے آپ کو عدل و انصاف کا پابند کیا ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو ڈرایا کم ہے، بشارت زیادہ دی ہے۔ اس نے اپنے منتقم، جبار اور قہار ہونے کا ذکر کم کیا ہے، اپنے رحمٰن، رحیم، غفور، حلیم اور فتاح ہونے کا ذکر کثرت سے کیا ہے، بار بار کیا ہے۔ اور اس کا جبر و قہر اور انتقام بھی ہر کس و ناکس کے لئے نہیں ہے۔ صرف اُن کے لئے ہے جو ظالم ہیں، حد سے گزر جانے والے ہیں۔ انسانوں کو ستاتے ہیں، قانونِ عدل کو توڑتے ہیں۔ 38 رئیس احمد جعفری نے یہ بات واضح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی کی پابند نہیں ہے کہ کسی پابندی کی وجہ سے رحمت سے متعلق اسماء کا قرآن میں زیادہ ذکر کیا جاتا۔ وہ ذاتِ پاک قادرِ مطلق ہے جو چاہے کرے۔ اس کے باوجود اُس نے رحمت سے متعلق اسماء کا ذکر زیادہ کیا ہے اور غضب اور سزا سے متعلق اسماء کا ذکر کم کیا ہے۔ غضب اور سزا سے متعلق اسماء کا بھی اگر گہرائی اور سیاق و سباق سے مطالعہ کیا جائے تو ان میں بھی رحمت کا پہلو نظر آتا ہے۔

خلاصۂ بحث

اسماء الحسنیٰ میں رحمت ہے یا سختی اور غضب پر مبنی مفہوم، اس کا اندازہ اللہ رب العزت کے اسماء گرامی کے لئے استعمال کی گئی اصطلاح "اسماء الحسنیٰ" کے مفہوم سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اسماء الحسنیٰ سے مراد خوبی، حسن اور عمدگی والے نام ہیں۔ اگر ان میں کسی نام میں (نعوذ باللہ) غضب یا سختی کا مفہوم پایا جائے جو انسانیت کے لئے دہشت کا باعث ہو، پھر یہ اسماء حسن کے دائرہ میں تو نہیں آئیں گے۔ اسماء الحسنیٰ کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے یہ رحمت کا مفہوم ظاہر کر رہے ہیں۔ ہر اسم الٰہی اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی رحمت، مغفرت، ربوبیت وغیرہ پر مبنی ہے۔ سزا اور سختی پر مبنی کوئی دو تین صفات ہیں جن میں بھی نتیجتاً انسانیت کا ہی بھلا ہے۔ اسماء الحسنیٰ کے قرآن میں بیان کا اگر مجموعی مطالعہ کیا جائے اور ان کے باطنی پہلو پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ رحمت سے متعلقہ مبالغہ والے اسماء الرحمٰن اور الرحیم کا ذکر زیادہ آیا ہے۔ علاوہ ازیں ان اسماء کا ذکر آیا ہے جو رحمت کا مفہوم

رکھتے ہیں۔ ان میں ربوبیت، مغفرت، بخشش، درگزر وغیرہ شامل ہیں۔ سختی اور سزا سے متعلق چند ایک اسماء قہار، جبار، المنتقم کا ذکر آیا ہے۔ ایسے مقامات کا بھی اگر سیاق وسباق کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور انسانیت کے آفاقی فائدہ اور بھلائی کو ذہن میں رکھا جائے تو ان میں بھی رحمتِ الٰہی کا پہلو ضرور نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں بھی سزا، عذاب یا انتقام سے متعلق اسماء کا ذکر آیا ہے تو ساتھ رحمت یا مغفرت بلکہ بعض مقامات پر رحم اور مغفرت سے متعلق اسماء کا اکٹھا ذکر آیا ہے۔ کسی جگہ بھی سزا اور سختی والے اسماء کو الگ سے نہ لایا گیا ہے اور اگر کسی جگہ ایسا ہوا بھی ہے تو اس کے سیاق وسباق میں ضرور توبہ، رحمت یا مغفرت کا ذکر ملتا ہے۔

حوالہ جات

[1] الاعراف، ۷:۱۸۰

[2] برکت اللہ-مسیحیت کی عالمگیری-لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب ۲۰۰۱ء ص:۱۰۳

[3] الزمر، ۳۹:۵۳

[4] دریابادی، عبدالماجد-تفسیر ماجدی-کراچی: مجلس نشریات قرآن ۱۹۹۸ء، ج:۶، ص:۱۰۴

[5] مودوی، ابو الاعلیٰ۔ تفہیم القرآن۔ لاہور: ادارہ ترجمان القرآن ۲۰۱۱ء، ج:۴، ص:۳۵۹

[6] الشعراء ۲۶:۲۱۷

[7] مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج:۳، ص:۴۷۹، ۴۸۰

[8] الزمر ۳۹:۵۳

[9] الزمر ۳۹:۵۳

[10] آلِ عمران ۳:۳۱

[11] منصور پوری، محمد سلیمان سلمان-معارف الاسماء-لاہور: مکتبہ اسلامیہ ۲۰۰۴ء، ص:۵۰

[12] مودودی، ابو الاعلیٰ۔ اسماء الحسنیٰ۔ لاہور: ادارہ اسلامیات ۲۰۱۰، ص:۳۱۱

[13] اصفہانی، راغب-مفردات القرآن-مترجم، فیروزپوری، محمد عبدہ، ص:۲۰

[14] دریابادی، عبدالماجد-تفسیر ماجدی-ج:۱، ص:۳۴

[15] آزاد، ابو الکلام احمد-اُمُّ الکتاب-مکتبہ احباب ۲۰۰۸ء، ص:۲۸

[16] البقرہ ۲:۱۶۰

[17] آزاد، ابو الکلام احمد۔ ترجمان القرآن۔ ج۱، ص:۲۲۳

[18] اصفہانی، راغب۔ مفردات القرآن۔ ص:۲۲

[19] نعیمی، احمد یار خاں۔ تفسیر نعیمی۔ لاہور: نعیمی کتب خانہ ۲۰۰۹ء، ج:۱، ص:۴۳

[20] آزاد، ابو الکلام احمد۔ ترجمان القرآن۔ ج:۱، ص:۱۱

[21] ایضاً، ج:۱، ص:۱۳، ۱۲

[22] حافظ، صلاح الدین یوسف۔ احسن البیان۔ لاہور: دارالسلام ۲۰۱۲ء، ص:۸۰۱

[23] عثمانی، شبیر احمد۔ تفسیر عثمانی۔ لائف گارڈ پرنٹر: لاہور، ۴ ٹیپ روڈ ۲۰۱۰، ص:۲

[24] محمد علی چراغ۔ شرح اسماء الحسنیٰ۔ لاہور: نذیر سنز پبلشرز ۲۰۱۳ء، ص:۱۸۴

[25] مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن۔ لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب ۲۰۰۹ء، ج:۸، ص:۳۹۰

[26] الحشر ۵۹:۲۴

[27] المومنون ۲۳:۱۴

[28] التین ۹۵:۴

[29] النحل ۱۶:۹۰

[30] مودودی، ابو الاعلیٰ، الاسماء الحسنیٰ، ص: ۵۰

[31] منصور پوری، محمد سلیمان سلمان۔ معارف الاسماء۔ ص: ۸۲، ۸۳

[32] المومن ۴۰:۱۶

[33] نوح ۷۱:۲۷

[34] المائدہ ۵:۹۵

[35] الحشر ۵۹:۲۴

[36] علوی، عبد الوکیل۔ الاسماء الحسنیٰ۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب ۲۰۱۰ء، ص: ۸۲

[37] آزاد، ابو الکلام احمد۔ ترجمان القرآن۔ ج: ۳، ص: ۴۳۲

[38] جعفری، رئیس احمد۔ اسلام اور عدل و احسان۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب ۲۰۱۰ ج: ۱، ص: ۳۴